ستیش چندر

اورنگ زیب ——— سیاست اور شخصیت

قومی یک جہتی کے پس منظر میں

(فخرالدین علی احمد میموریل لیکچر منعقدہ۔ ۲۲ مارچ ۱۹۸۷ء، لکھنؤ)

اورنگ زیب کے عہد حکومت میں مغلیہ سلطنت اپنے عروج کی آخری منزل پر پہنچ گئی تھی۔ کابل سے اراکان تک اور لداخ سے رامیشورم تک سارا ملک ایک دھاگے میں بندھ گیا تھا۔ ملک بھر میں بنیادی طور پر (کچھ علاقوں کو کچھ عرصے تک کے لیے چھوڑ کر) عام راستوں پر جان و مال کی حفاظت کے انتظامات تھے۔ ایک ہی قانون اور ایک ہی سکہ سارے ملک میں رائج تھا۔ یہی نہیں، مغلوں کے دور میں اعلیٰ عہدیدار، جنہیں اس دور میں منصب دار کہا جاتا تھا، ایرانی، تورانی مغل کے علاوہ پٹھان، ہندوستانی مسلمان (جنہیں شیخ زادہ کہا جاتا تھا) ہندو راجہ (خاص طور پر راجپوت) اور دیگر ہندوؤں کو اونچے عہدے دینے کی روایت اکبر کے زمانے میں شروع ہوئی۔ جہاں گیر اور شاہجہاں کی حکومت کے وقت ان کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اورنگ زیب نے اپنے ذاتی تعصب کی بنا پر راجپوتوں سے بگاڑ کر لیا اور دھیرے دھیرے

ہندوؤں کو اونچے منصب دینا بند کر دیا۔ جدید تحقیق اس بات کو غلط ثابت کرتی ہے۔ اورنگ زیب کے دور میں ہندو منصب داروں کی تعداد دیگر قوموں کے منصب داروں سے کم ہونے کے بجائے کہیں زیادہ بڑھ گئی۔ اکبر کے دور میں ہندو منصب داروں کی تعداد ۱۶ فیصد تھی۔ شاہجہاں کے زمانے میں بڑھ کر ۲۴ فیصد ہوئی اور پھر اورنگ زیب کے عہد میں ان کی تعداد ۳۴ فی صد ہوگئی۔ اول نمبر کے ہندو منصب داروں میں راجپوتوں کا مقام مرہٹوں نے پالیا۔ یہ ایسی بات ہے جسے آج بہت کم لوگ جانتے ہیں یا جاننا چاہتے ہیں۔

مورخین کا خیال ہے کہ اورنگ زیب نے کچھ ایسے طریقے اپنائے جن کی وجہ سے ہندوستان میں بڑھتی ہوئی قومی یک جہتی کو ٹھیس پہنچی۔ ہندوؤں کے دل میں مسلمانوں سے رنجش پیدا ہوئی اور نتیجتہ" مغلیہ سلطنت اپنے زوال کو پہنچ گئی۔ اس طرح کے خیالات سب سے پہلے انگریز مورخ سرچارلز ایلیٹ نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان شبہات پیدا کرنے کے لیے لکھے تھے۔ بعد میں مشہور تاریخ دان سرجادو ناتھ سرکار نے ایسے خیالات کی اپنی کتاب ''ہسٹری آف اورنگ زیب'' میں تصدیق کی۔ ادھر کچھ برسوں سے اونچے درجوں کی کتابوں میں ایسے خیالات کا رد کیا گیا ہے۔ لیکن ان کی بھنک آج بھی ہمیں بہت سی عام کتابوں میں خاص طور پر اسکولی بچوں کی درسی کتابوں میں مل جاتی ہے۔

کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اورنگ زیب کو قومی یکجہتی کا علمبردار مان لیں۔ اورنگ زیب نے تقریباً پچاس سال حکومت کی۔ اتنے لمبے عرصے میں اس نے صحیح کاموں کے ساتھ ساتھ غلط کام بھی کیے۔ کوئی یہ کہے کہ وہ بڑا دیندار تھا' پانچ وقت کی نماز پڑھتا تھا' قرآن' حدیث اور فقہ کو بخوبی جانتا تھا (کچھ لوگوں کی نظر میں تو وہ زندہ پیر تھا) بھلا سیاسی غلطی کیسے کر سکتا تھا؟ تو یہ بات اتنی ہی صحیح یا غلط ہوگی جیسے کوئی کہے کہ وہ تنگ نظر تھا۔ اسے صرف شریعت اور

ملاؤں کی پروا تھی' ہندوستان جیسے ملک میں وہ کس طرح کوئی کامیابی حاصل کر سکتا تھا۔

اورنگ زیب اپنے دین کا پکا ہونے کے ساتھ ساتھ ایک حکمراں تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر دینی اور دنیاوی معاملات میں ٹکراؤ کی نوبت آجائے تو ایک حکمراں کے کیا فرائض بنتے ہیں؟ اسے دینی معاملات کو ترجیح دینا چاہیے یا دنیوی؟ اورنگ زیب کے سامنے بھی ایک پیچیدہ سوال اٹھ کھڑا ہوا تھا جس کا حل وہ زندگی بھر تلاش کرتا رہا۔ کبھی وہ کامیاب رہا اور کبھی ناکام۔ اس کی تمام کامیابیوں اور ناکامیوں کو صحیح پس منظر میں دیکھنے کے بعد ہی ہم قومی یک جہتی اور تصوراتی یکجہتی کی طرف بڑھ سکتے ہیں۔ اورنگ زیب کی سلطنت کے سلسلے میں دو تین اہم سوال پیدا ہوتے ہیں' جن کا تجزیہ کرنا ہمارے لیے بے حد ضروری ہے :۔

۱۔ مذہبی تحمل کے سلسلے میں اورنگ زیب کی پالیسی

۲۔ راجپوتوں کی طرف اورنگ زیب کا رویہ

۳۔ مرہٹوں اور دکنی ریاستوں کے مسائل میں اس کا دخل

غیر مسلم حضرات کو مسلمان حکومت میں ان کے پوجا پاٹھ اور دیگر مذہبی رسومات کے سلسلے میں کتنی آزادی ملنی چاہیے۔ ریاست (state) کی کیا شکل (Form) ہونی چاہیے۔ احکام شریعت کو کس حد تک لاگو کیا جاسکتا ہے' ان تمام مسئلوں پر ترکی حکومت کے قیام کے بعد سے برابر بحث و مباحثہ ہوتا رہا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے مطابق اسلامی سلطنت میں ذمیوں کو یعنی وہ غیر مسلم اقوام جنھوں نے وفاداری قبول کر لی' مذہبی آزادی کے حق دار تھے۔ انھیں اپنے پوجا پاٹھ وغیرہ کی پوری آزادی تھی' ساتھ ہی وہ اپنی عبادت گاہوں' مندروں وغیرہ کی دیکھ بھال اور مرمت وغیرہ بھی کرسکتے تھے۔ لیکن اسلام کی مخالفت میں انھیں نئے معبد (عبادت گاہیں) بنانے کی اجازت نہ تھی۔ اس کا

مطلب یہ ہے کہ گاؤں میں یا گھر کے اندر عبادت گاہیں بنوانے پر پابندی نہ تھی۔ اصل معنوں میں یہ تحمل آمیز رویہ کہاں تک عمل میں لایا جاتا تھا۔ یہ ایک الگ سوال ہے۔جنگ اور چڑھائی کے زمانے میں مندر بھی حملے کا نشانہ بن جایا کرتے تھے۔ علما کا ایک طبقہ تعصب آمیز باتوں پر زور دیتا تھا۔ اس طبقے کے لوگوں کا خیال تھا کہ اسلام اور اسلامی حکومت کی حفاظت کا ذمہ صرف ان کا ہے۔ دراصل یہ طبقہ اچھی طرح جانتا تھا کہ حکومت میں ان کا دخل اس وقت تک ہے جب تک وہ غیر مسلم حضرات کو باغی قرار دیتے ہیں' انھیں سلطنت کا دشمن بتاتے ہیں اور انھیں بے عقل اور تاریک عقائد کا مجسمہ کہہ کر پکارتے ہیں تاکہ ان کے خلاف جہاد کا نعرہ بلند کرسکیں۔ یعنی اپنا رتبہ' عہدہ اور وظیفہ وغیرہ برقرار رکھیں۔ ایسا بھی نہیں کہ سارے کے سارے علما تنگ نظر تھے۔ خاص طور پر صوفی' سنت' فقیر' جوگی اور بھگت وغیرہ۔ مذہب کی بنا پر کسی کو سلطنت کا دشمن ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان کے دروازے ہر کسی کے لیے کھلے تھے۔ ان کی برکت سے ہندو' مسلمان سب کے سب مستفید ہوتے تھے۔ قومی یک جہتی کے سب سے معتبر دعویدار اسی طبقے کے لوگ تھے۔

اکبر کے ذاتی عقیدے کے بارے میں کسی کی کچھ بھی رائے ہو مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے بنیادی طور پر ہندو' مسلمان' عیسائی' پارسی ساری پرجا کو ہمیشہ برابری کا درجہ دینے پر زور دیا اور اسے عمل میں لانے کے لیے اس نے کئی قدم اٹھائے۔ جیسے جزیہ ختم کرنا' تیرتھ استھانوں سے چنگی ہٹانا' ہر مذہب کے تہواروں کو منانا وغیرہ۔ دوسرے یہ کہ سلطنت کی بنیاد کو استقامت دینے کے لیے اس نے ہندوؤں کو اونچے منصب بھی دیے اور ان کے ساتھ وہی سلوک برتا جو دیگر مغل امیروں کے ساتھ تھا۔ اورنگ زیب کے دور حکومت میں بھی یہ روایات کافی حد تک باقی رہیں۔ مندروں کے بارے میں اورنگ زیب نے اپنا نظریہ تخت نشینی کے وقت ہی ظاہر کر دیا تھا۔ اس نے شرعی

احکامات کو دہرایا تھا کہ پرانے مندروں کی دیکھ بھال اور انھیں مرمت کرنے کی اجازت ہے' پر نئے مندروں کی تعمیر کی اجازت نہیں۔ نئے مندروں میں ان مندروں کو بھی شامل کیا گیا جو پچھے دس سالوں میں تعمیر ہوئے تھے۔ کہیں کہیں صوبوں اور پرگنوں میں وہاں کے حاکموں اور قاضیوں نے پرانے مندروں کو توڑنے یا ان کی مرمت میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں اورنگ زیب نے انھیں سخت تاکید کی کہ وہ ایسے اقدام سے گریز کریں۔اس سلسلے میں اورنگ زیب نے بنارس' درندابن وغیرہ کے براہمنوں کے نام جو فرمان جاری کیے' وہ آج بھی موجود ہیں۔ جن میں وہاں کے حاکموں کو مندروں کی مرمت میں رکاوٹ ڈالنے پر خبردار کیا گیا ہے۔ بدقسمتی سے دھیرے دھیرے اورنگ زیب کے من میں یہ بات بیٹھ گئی کہ ہندو باغی اور سرکش ہوگئے ہیں اور انھیں سبق سکھانے کے لیے سرکار کو سختی سے پیش آنا چاہیے۔ اسی ذہنیت کے باعث اس نے بنارس' متھرا' ٹھٹھا اور ملتان وغیرہ کے کچھ پرانے مندر بھی تڑوا دیے۔ اس طرح جب راٹھور راجپوتوں سے اس کا جھگڑا ہوا تو اس نے مارواڑ کے بہت سے مندر تڑوائے یا دیوار چن کر بند کروا دیے۔ باغی انسانوں کا بدلہ ان کی عبادت گاہوں سے لینا بہرحال غلط ہے۔ اس بات کا ثبوت تو ملتا ہے کہ اورنگ زیب نے کچھ پرانے مندروں اور مٹھوں کو تحفے اور انعامات کے طور پر لوگوں کو دیے تھے مگر یہ نیک کام ایسے نہیں تھے جن سے ہندوؤں کے جذبات کو جو پرانے مندروں کو تڑوانے سے ٹھیس پہنچی تھی' اس کا ازالہ ہوسکے۔ شاید بعد میں اورنگ زیب کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور دکن کی مہم میں اس نے وہاں کے پرانے مندروں کو قطعی طور پر نہیں تڑوایا۔ بھیم سین جو دکن کی مہم میں موجود تھا اس نے تاریخ دلکشا میں ان مندروں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ وہ مشہور تیرتھ استھان تروپتی اور کانچی کا بھی ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے "ادونی اور کرنول کے پڑوس سے کانچی اور جنجی کی ریاست اور سمندر تک شاید کوئی

گاؤں ایسا نہ تھا جس میں چھوٹا یا بڑا مندر نہ ہو۔ یہ مندر رام، لکشمن یا مہا کال "شیو" کے نام پر ہیں۔"

مندروں کے بارے میں شاید اورنگ زیب پر اتنی نکتہ چینی نہیں ہوئی ہے جتنی کہ اس کے دوبارہ جزیہ لگانے پر ہوئی ہے۔ یہ فیصلہ اس نے اپنی تخت نشینی کے بائیس سال بعد کیا۔ جزیہ کو دوبارہ لاگو کر کے اورنگ زیب کیا حاصل کرنا چاہتا تھا، اس پر مورخین متفرق رائے رکھتے ہیں۔ اگر اس کا مقصد صرف شرعی ہدایتوں کو عمل میں لانے سے تھا۔ (کیونکہ شرع نے جزیہ کو واجب قرار دیا ہے) تو اس اقدام کے لیے اس نے بائیس (۲۲) سال تک انتظار کیوں کیا؟ اس دور کے ایک مصنف نے اپنی کتاب "دستور العمل" میں لکھا ہے کہ اورنگ زیب جزیہ اس سے پہلے لاگو کرنا چاہتا تھا، مگر حکمت عملی کی وجہ سے اس نے یہ قدم نہیں اٹھایا۔ اگر ہم یہ بات مان لیں تو ہمیں یہ ماننا بھی ضروری ہوگا کہ جزیہ لگانے کا فیصلہ ملتوی کرنا اور اسے بائیس (۲۲) سال بعد عمل میں لانا یقیناً ایک سیاسی امر تھا۔

سیاسی نقطہ نظر سے جزیہ لگانے کے دو مقصد دکھائی دیتے ہیں، پہلا مولویوں اور ملاؤں کو خوش کرنا اور ان میں بے روزگاری کم کرنا کیونکہ ہر جگہ جزیہ وصول کرنے کی ذمہ داری "امین جزیہ" کے سپرد تھی جو کہ عام طور سے ایک مولوی ہوا کرتا تھا۔ دوسرا لوگوں کو یقین دلانا کہ اس کی سلطنت میں شریعت کی پوری پابندی ہے اور اس لیے کوئی شخص، خاص طور پر مسلمان اگر اس کی مخالفت کرتا ہے، تو وہ اسلام یا شریعت کی مخالفت ہوگی۔ اس کا سیاسی پہلو اس وقت واضح ہو گیا جب اورنگ زیب نے بیجاپور اور گولکنڈہ پر قبضہ کرنا چاہا۔ اس نے گولکنڈہ کے تاناشاہ پر الزام لگایا کہ اس کی سلطنت کی باگ ڈور ایک کافر کو سونپ دی گئی ہے اور اسلام کی توہین کی جا رہی ہے۔ ساتھ ہی اورنگ زیب نے شیخ الاسلام سے فتویٰ مانگا کہ وہ اورنگ زیب، یعنی شرع کے پابند مسلمان

بادشاہ کو دکن کی ریاستوں پر جو کہ شریعت کی پابند نہیں اور کافروں کی امداد کرتی ہیں' ان پر حملہ جائز قرار دے دیں۔ یہ بات دوسری ہے کہ ان سب کے باوجود شیخ الاسلام نے اورنگ زیب کے حق میں فتویٰ صادر کرنے سے انکار کر دیا' جس کے نتیجے میں اس نے شیخ الاسلام کو ان کے عہدے سے برطرف کر دیا اور اپنی بات منوانے کے لیے ایک دوسرے شخص کی تقرری کر دی۔ یہاں یہ بات بھی روشن ہو جاتی ہے کہ اورنگ زیب بنیادی طور پر ایک حکمراں تھا اور مذہبی تصورات کو وہ سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرتا تھا۔

یہاں ایک سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ جزیہ نافذ کرنے میں اگر اورنگ زیب کا اصل مقصد مسلمانوں کو دکن کی مسلم سلطنت کے خلاف کمربستہ کرنا تھا' تو ہندوؤں نے جزیہ کی مخالفت کیوں کی؟ اس کی بھی دو وجہیں تھیں۔ پہلی وجہ مولویوں اور ملاؤں کا رویہ تھا جنھوں نے جزیہ کے نام پر خوب لوٹ کھسوٹ کرنا شروع کر دیا تھا اور اسے ہندوؤں کو ذلیل کرنے کا ایک طریقہ سمجھ لیا تھا۔ خافی خاں اس سلسلے میں مختصراً لکھتا ہے: "لکھامی گیرند۔"

ہندوؤں کی طرف سے جزیہ کی مخالفت کی دوسری وجہ ان کی جانب مسلمانوں کا شک کی نظر سے دیکھنا تھا۔ ریاست میں مذہب کی بنیاد پر بھید بھاؤ کرنا اور یہ سمجھنا کہ سلطنت کی حفاظت کا ذمہ گویا صرف مسلمانوں کا ہے جب کہ ہندوؤں نے بھی جگہ جگہ اس کے لیے اپنا خون بہایا تھا' یقیناً قومی یکجہتی کے تصور کو پامال کرنے کے مترادف تھا اور یہی ہندوؤں کی طرف سے مخالفت کا سبب بن گیا۔

اس سے ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ سیاسی اعتبار سے جزیہ کا نفاذ عمل میں لانے سے اورنگ زیب کو فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوا۔ ہندوستان کے تمام حالات کا جائزہ لیتے ہوئے اورنگ زیب کو اپنی موت سے کچھ پہلے دکن میں جزیہ روک دینا پڑا' اس بنا پر کہ لڑائی اور قحط سے رعایا پریشان تھی اور پھر

اورنگ زیب کی موت کے پانچ سال بعد اس کے چہیتے وزیر اسد خاں کے کہنے پر سارے ملک سے جزیہ ختم کرنے کا باقاعدہ اعلان کر دیا گیا۔

اس طرح مغلیہ سلطنت میں جزیہ کا یہ مختصر دور ختم ہوا۔ یہ بات یاد رہے کہ بچوں' بیواؤں' یتیموں اور اپاہجوں سے جزیہ وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ "ذمی نادار" یعنی جن میں روٹی کپڑا کمانے کی قوت نہیں تھی وہ بھی جزیہ سے بری تھے۔ ساتھ ہی سرکاری ملازمین پر بھی جزیہ معاف تھا۔ گاؤں میں جزیہ مال گزاری کے ساتھ ساتھ وصول کیا جاتا تھا اس لیے زیادہ تر جزیہ کی مخالفت شہروں ہی میں پائی گئی۔

جزیہ کی نوعیت جو بھی رہی ہو مگر قطعی طور پر یہ ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنانے کا حربہ نہ تھا۔ نہ تو ہندوؤں کا ایمان اتنا کچا تھا' نہ ہی جزیہ کی رقم زیادہ تھی۔ اس بنا پر جزیہ کو ہم ایک سیاسی مسئلہ ہی کہہ سکتے ہیں "مندر" اور "جزیہ" ان دونوں مسئلوں پر اورنگ زیب کے رویے نے قومی یکجہتی کو ٹھیس پہنچائی' اس بات کو تسلیم کرنا جہاں ضروری ہے' وہیں یہ بھی لازمی ہے کہ ہم انھیں بہت بڑھا چڑھا کر نہ دیکھیں۔ مرہٹوں کو ہندو مذہب کے تحفظ کا علمبردار سمجھا جاتا ہے۔ مندروں کا تڑوانا اور جزیہ کا لاگو کرنا اگر واقعی ہندو مذہب کے لیے خطرناک ہوتا تو راجپوتوں اور مرہٹوں کی ایک اچھی خاصی تعداد اورنگ زیب کے شانہ بہ شانہ نہ چلتی۔

راجپوتوں کے ساتھ (خاص طور پر میواڑ کے راجپوتوں کے ساتھ) اورنگ زیب کے تعلقات اس کی تخت نشینی کے بائیس (۲۲) سال بعد کیوں بگڑے؟ اس مسئلے پر بھی سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا ضروری ہے۔

راجپوت بڑی وفادار قوم تھی جس نے مغل تاج و تخت کی خاطر بلخ اور قندھار سے لے کر بنگال' آسام اور دکن کی لڑائیوں میں حصہ لیا۔ وہ ہندو مسلم اتحاد کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ یہ سمجھنا درست نہیں کہ اورنگ زیب اپنے

تعصب کی بنا پر راجپوت راجاؤں کو نیست و نابود کرنا چاہتا تھا اور موقع کی تلاش میں تھا جو اسے ۱۶۷۸ء میں جسونت سنگھ کی موت کے بعد مل گیا۔

اورنگ زیب اور راجپوتوں کے باہمی تعلقات کو جان بوجھ کر توڑا مروڑا گیا ہے۔ شاہجہاں کے بیٹوں میں خانہ جنگی کے وقت سے لے کر جسونت سنگھ کی موت تک اورنگ زیب اور راجپوتوں کے درمیان اچھے تعلقات تھے۔ آغاز میں اورنگ زیب نے میواڑ کے مہا رانا راج سنگھ کا منصب بڑھا کر اور کچھ پرگنے جو شاہجہاں نے چتوڑ گڑھ کی دوبارہ ناکہ بندی کرنے سے ناخوش ہو کر ضبط کر لیے تھے' انھیں مہا رانا راج سنگھ کو لوٹا کر خوش کر دیا تھا۔ آنبیر کے راجہ سوائی جے سنگھ کے ساتھ اس کی پرانی جان پہچان تھی اور وہ دھیرے دھیرے اتنی مضبوط ہو گئی کہ تاریخ داں جے سنگھ کو اورنگ زیب کا "کلید عقل" (عقل کی کنجی)) کہنے لگے۔ جسونت سنگھ نے دھرمت کی لڑائی میں اورنگ زیب کی مخالفت کی تھی اور بعد میں اس نے دارا کی مدد کا وعدہ بھی کیا تھا۔ جے سنگھ کے بیچ بچاؤ کرنے سے اسے بھی معاف کر دیا گیا اور اس کی سلطنت واپس کر دی گئی۔ شیواجی کے خلاف ناکام ہونے کے بعد اسے گجرات کا صوبہ دار مقرر کیا گیا' اور پھر درہ خیبر یعنی ہندوستان کی حفاظت کی ذمہ داری اسے سونپی گئی۔ ۱۶۷۸ء میں کچھ عرصے تک بیمار رہنے کے بعد جسونت سنگھ کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت جسونت سنگھ کا کوئی لڑکا زندہ نہ تھا' اس لیے شاہی آئین کے مطابق گدی کے وارث کا مسئلہ بادشاہ کے فیصلے پر منحصر تھا۔ اس اندیشے کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ مارواڑ میں آپسی جھگڑے کی بنا پر کہیں بدامنی نہ پھیل جائے' اورنگ زیب نے طے کیا کہ جب تک وراثت کا معاملہ سلجھ نہ جائے مارواڑ کو شاہی خالصہ میں رکھا جائے' یعنی وہاں کی حکومت کی ذمہ داری مرکزی سرکار لے لے۔ گدی نشینی کے جھگڑے کے وقت کسی ریاست کو خالصہ میں رکھا جانا کوئی نئی بات نہ تھی۔ خود اکبر نے مارواڑ کو تقریباً بارہ سال تک خالصہ

میں رکھ کر اسے پھر راؤ مالدیو کے بڑے بیٹے موٹا راجا اودے سنگھ کو عطا کر دیا تھا۔ جہاں گیر اور شاہجہاں نے بھی بیکانیر' جیسلمیر اور تادانگر میں اسی طرح کا طریقہ اپنایا تھا۔ سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ جسونت سنگھ کے سارے بڑے سرداروں کو جن میں درگاداس بھی شامل تھے اور مہاراج کے ساتھ پشاور میں موجود تھے' انھوں نے جودھ پور کو خالصہ میں لیے جانے پر اعتراض نہیں کیا۔ مہاراجہ کی دو رانیاں حاملہ تھیں۔ انھوں نے درخواست کی کہ انھیں اخراجات کے لیے فی الحال دو پرگنے عطا کر دیے جائیں جسے اورنگ زیب نے منظور کر لیا۔ ان کا خیال تھا کہ وراثت کا معاملہ رانیوں کے بچے ہونے تک ملتوی رہے گا اور جودھ پور کو خالصہ میں رکھ لینے سے انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

دراصل جھگڑے کی دو وجہیں تھیں' پہلی وجہ میواڑ کی جانشینی کے سلسلے میں تھی۔ اس وقت سب سے مضبوط دعویدار اندر سنگھ راٹھور تھا جو جسونت سنگھ کے بڑے بھائی راؤ امر سنگھ کا پوتا تھا۔ اس نے درخواست کی کہ مہاراجہ گج سنگھ کے انتقال کے بعد اس کے بڑے بیٹے امر سنگھ کو گدی نہ دے کر چھوٹے بیٹے جسونت سنگھ کو گدی پر بٹھانا شاہجہاں کی زیادتی تھی۔ اورنگ زیب کا ذمہ تھا کہ وہ اس پرانی ناانصافی کا ازالہ کرے۔ دوسری طرف جسونت سنگھ کی بڑی رانی' رانی ہاڑی جو کہ جودھپور میں تھیں' چاہتی تھیں کہ جب تک رانیوں کے بچوں کی پیدائش نہ ہو' جودھپور کا شہر اور قلعہ اس کے قبضے میں رہے۔ اس کا دعویٰ تھا کہ جودھپور راٹھوروں کا وطن ہے اور کسی راجہ کو اس کے وطن سے کبھی بے دخل نہیں کیا جاتا۔ رانی ہاڑی کے دعوے کی حمایت میں میواڑ کے مہاراج رانا راج سنگھ تھے' جنھوں نے رانی کی مدد کے لیے پانچ ہزار گھوڑ سواروں کا دستہ اپنے سردار سانول سنگھ کی سرپرستی میں جودھپور بھیج دیا تھا۔

یہ جانکاری ہمیں کچھ ایسی نئی دستاویزوں سے ملتی ہے جن کی معلومات سر جادو ناتھ سرکار کو نہیں تھی۔ یہ ہے فارسی کی دستاویز "وقائع

سرکار اجمیرورن تھمبور" جسے اجمیر کا واقعہ نویس ہر پکھواڑے میں دربار میں بھیجتا تھا۔ دوسری دستاویز "حکومت ری بہی" ہے۔ جو راجستھانی میں لکھی گئی ہے۔ اور یہ جسونت سنگھ کے سرداروں کا روزنامچہ ہے۔ ان واقعات سے یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ میواڑ کے مہارانا اور مارواڑ کے قدیم سردار' جسونت سنگھ کے بیٹوں کے علاوہ کسی اور کو گدی پر دیکھنے کے لیے تیار نہ تھے۔ ایک طرف سے یہ مغل بادشاہ کو چنوتی دینا تھا۔ مغلوں نے یہ کہہ کر کہ وطن اور منصب عورتوں اور نوکروں کو نہیں دیا جاسکتا' رانی ہاڑی کے دعوے کو نامنظور کر دیا اور جودھپور پر قبضہ کر لیا۔ لیکن اسی دوران خبر ملی کہ لاہور میں جسونت سنگھ کی رانیوں کے دو بیٹے پیدا ہوئے ہیں' رانی ہاڑی کا پلہ اب اور بھاری ہو گیا۔ اجمیر کے صوبہ دار اور شاہی بخشی خان جہاں نے جو کہ جسونت سنگھ کو اپنا بھائی سمجھتا تھا' بڑا زور دیا کہ گدی جسونت سنگھ کے بیٹے کو ہی ملے۔ اورنگ زیب نے جودھپور کی گدی اندر سنگھ کو دے دی۔ لیکن دونوں دعویداروں کو خوش کرنے کے لیے ساتھ ہی یہ بھی طے کیا کہ مارواڑ کا بٹوارا کر دیا جائے۔ مارواڑ اور ناگور اندر سنگھ کو سوجت اور جیتا رن اجیت سنگھ کو دینے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اجیت سنگھ کو شاہی منصب قبول کرنے کی دعوت بھی دی' لیکن خوش ہونے کے بجائے دونوں ہی فریقین کو اس فیصلے سے ناخوشی ہوئی' کیونکہ کوئی بھی راج کا بٹوارہ پسند نہیں کرتا تھا۔ رانی ہاڑی نے تو یہاں تک اصرار کیا کہ اندر سنگھ کو گدی دینے کے بجائے بادشاہ سارے مارواڑ کو اجیت سنگھ کے بالغ ہونے تک خالصہ ہی میں رکھیں۔

بعد کے پیدا شدہ حالات پر نظر ثانی کرنے سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ رانی ہاڑی کی درخواست اورنگ زیب اور مغلیہ سلطنت دونوں کے حق میں موزوں تھی۔ اورنگ زیب کا منشا کیا تھا؟ اس کا اندازہ اس کے احکامات سے ہی لگایا جاسکتا ہے۔ اندر سنگھ ایک شاہی منصب دار رہ چکا تھا اور کئی موقعوں پر

بادشاہ کی خدمت کر چکا تھا اس لیے بھی اس کی طرف اورنگ زیب کا جھکاؤ فطری کہا جاسکتا ہے۔

ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ اورنگ زیب کی نیت میں کوئی خامی نہ تھی، خرابی اس کے عمل میں تھی۔ جس لڑائی سے راجپوتوں کو وہ دور رکھنا چاہتا تھا، آخر اسی میں پھنس گیا۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ راٹھور کے سردار درگاداس وغیرہ نے اورنگ زیب کا فیصلہ نہیں مانا اور دلی سے بھاگ کر جودھ پور گئے اور وہاں اجیت سنگھ کو گدی پر بٹھا دیا۔ اورنگ زیب نے غصے میں آکر اجیت سنگھ کو جعلی بچہ قرار دے دیا۔ جب مغل فوج نے اجیت سنگھ کو جودھپور سے کھدیڑ دیا تو اسے میواڑ میں پناہ ملی اور میواڑ بھی اس لڑائی میں کھنچ آیا۔ اورنگ زیب نے اندر سنگھ کو تو گدی سے اتار دیا، پر اجیت سنگھ کا دعویٰ ماننے کو تیار نہیں ہوا۔

دو سال تک لڑنے اور شاہزادہ اکبر کی بغاوت کے بعد اورنگ زیب کو ماننا پڑا کہ منصب و اقتدار جسونت سنگھ کے بیٹے اجیت سنگھ کو بالغ ہونے کے بعد دے دیا جائے گا۔ یعنی اس نے رانی ہاڑی کی تجویز مان لی مگر لڑائی کے بعد۔ اس کے بعد بھی جودھپور شہر کو لے کر جھگڑے کی آگ سلگتی رہی۔ ان سب کو اورنگ زیب کی ضد یا انا سمجھی کہا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کی بنیادی پالیسی ہندوؤں کی مخالف نہیں تھی۔ اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اسی دور میں اس نے مرہٹہ سرداروں کو کھلے ہاتھوں سے منصب عطا کیے۔

کسی بھی مرکزی سرکار کو چاہے اس کے رہنما ہندو ہوں یا مسلمان، ہندوستان جیسے ملک میں علاقائی طاقتوں سے لڑنا پڑتا ہے، ورنہ ملک کے چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ جانے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے مواقع پر پرانے ریت رواج، دھرم کی حفاظت، زبان اور تہذیب کی رکشا جیسے طرح طرح کے نعرے بلند کیے جاتے ہیں۔ اورنگ زیب کے زمانے میں علاقائی آزادی کا سب سے زبردست دعویٰ مرہٹوں نے کیا۔ مہاراشٹر کا علاقہ پہاڑوں سے ڈھکا اور غیر

زرعی علاقہ تھا' جس پر کسی مضبوط سلطنت کا کبھی کوئی خاص اثر نہیں رہا۔ جس وقت دکن کی ریاستیں کمزور پڑ گئیں اور مغلوں نے دکن کی ریاستوں کو مغلیہ سلطنت میں ملانا سیاسی طور پر نامناسب سمجھ کر آگے بڑھنے کی کوشش کچھ عرصے کے لیے ملتوی کر دی' تو مرہٹوں کو ایک الگ مرہٹہ سلطنت کی بنیاد رکھنے کا موقع مل گیا۔ اورنگ زیب کا سابقہ شیوا جی کے ساتھ سب سے پہلے اس وقت پڑا جب شاہجہاں نے اسے دکن کا صوبہ دار بنا کر بھیجا۔ اورنگ زیب کی تخت نشینی تک شیوا جی نے بیجا پور ریاست کے کافی پرگنے ہتھیا لیے تھے اور افضل خاں کو مار کر شمالی کونکن پر قابض ہو گیا تھا۔ شمالی کونکن زرخیز علاقہ تھا اور وہاں سے کافی سمندری تجارت بھی ہوتی تھی ——— شیوا جی اور اورنگ زیب کا جھگڑا کونکن کے سوال کو لے کر ہوا۔ شیوا جی کا شائستہ خان کی چھاؤنی پر حملہ' سورت کی لوٹ' جے سنگھ کا شیوا جی کے خلاف بھیجا جانا' شیوا جی کا آگرہ شاہی دربار میں آنا اور وہاں سے بھاگنا' یہ سارے قصے اس قدر عام ہیں جنہیں یہاں دہرانا بیکار ہے۔ سوال یہ ہے کہ جس طرح اکبر نے راجپوتوں کو طاقت اور سیاست کی بنا پر اپنا دوست بنا لیا' کیا اسی طرح اورنگ زیب مرہٹوں کو اپنی طرف نہیں ملا سکتا تھا؟ اگر ایسا ہو جاتا تو مغلیہ سلطنت کا زوال اور انگریزوں کا آنا اگرچہ رک نہیں سکتا تھا' تو ٹل ضرور سکتا تھا۔ ایسے میں قومی یکجہتی مضبوط ہوتی اور اپنا رنگ دکھاتی۔

تاریخ اپنا رخ کس طرح بدلے گی' اس سلسلے میں کچھ کہنا آسان نہیں مغلیہ سلطنت کے زوال کو کیسے روکا جاسکتا تھا' اورنگ زیب کیوں مرہٹہ سرداروں کو اپنی طرف ملانے میں ناکام رہا' یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر تاریخ داں بہت کچھ لکھ چکے ہیں اور ان میں تضاد پایا جاتا ہے۔ میری اپنی تحقیق اس سلسلے میں یہ ہے:

راجپوتوں کے راج بہت پرانے تھے' اس لیے ان کے ساتھ دوستانہ'

برابر کی رشتہ داری اور شادی بیاہ ممکن تھے۔ مرہٹوں میں راجپوت راجاؤں جیسے قدیم خاندان' جو اپنا رشتہ سورج اور چاند سے جوڑتے تھے' موجود نہ تھے۔ راجپوت راجے جو بھی فیصلہ کرتے تھے اس کے سپاہی بغیر عذر کے مان لیتے تھے۔ مرہٹوں کے ساتھی اور ان کی فوج کے سپاہی بھی اکثر وہ لوگ ہوتے تھے جنہیں اپنا فوری فائدہ منظور ہوتا تھا اس لیے شاہی نوکری کو وہ فقط ذریعہ معاش سمجھتے تھے۔ بہت سے مرہٹہ سردار کبھی آزاد سردار کی حیثیت سے اور کبھی مغلوں کے ساتھ مل کر کسانوں کو لوٹ لیا کرتے تھے' اسی لیے مغل نہ تو مرہٹہ سرداروں پر اعتماد رکھتے تھے اور نہ ہی ان کی عزت کرتے تھے۔ ثبوت کے طور پر یہاں ایک واقعہ بیان کرنا مناسب ہوگا' جب شیوا جی غصے ہو کر شاہی دربار سے بغیر اجازت اٹھ کر چلے گئے تو جہاں آرا نے کہا "ایک چھوٹے سے بھومیا کی اتنی ہمت' اس نے یہ بے ادبی دکھائی' یہ خبر سب جگہ پہنچے گی پھر شاہی عتاب کا کیا ہوگا؟ شیوا کو سزا ملنی چاہیے۔" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرہٹہ سردار مغلوں کی نظر میں ایک چھوٹے بھومیا ہی شمار کیے جاتے تھے۔

میں صرف اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں کہ مرہٹوں کے ساتھ سمجھوتہ نہ ہونے کی پوری ذمہ داری اورنگ زیب کے سر ڈالنا صحیح نہیں۔ ہاں ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اورنگ زیب نے اپنی ضد میں مرہٹوں کے ساتھ سمجھوتے کے کئی مواقع ہاتھ سے جانے دیے۔ پہلا موقع شیوا جی کا اورنگ زیب کے دربار میں آنے کے وقت تھا۔ دوسرا شمبھا جی کو پکڑ کر اورنگ زیب کے دربار میں پیش کیے جانے کے وقت ۱۶۸۹ء آنے کے وقت تھا۔ اس وقت بھی کچھ امیروں کی رائے تھی کہ اورنگ زیب کو حکمت عملی سے کام لینا چاہیے۔ تیسرا موقع ۱۷۰۳ء میں ہاتھ آیا' جب ساہو جی اورنگ زیب کی قید میں بالغ ہوا۔ ان تمام مواقع کو نظر انداز کر کے سمجھوتہ نہ کرنا سیاسی دور اندیشی کی کمی کہی جاسکتی ہے نہ کہ تعصب اور تنگ نظری۔

سیاسی نقطہ نظر سے دکن کی دو اہم ریاستوں گولکنڈہ اور بیجاپور کے علاوہ خنجی تک پھیلی ہوئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر فتح حاصل کرنا' ایک زبردست کامیابی کی دلیل ہوتی اور سارے ملک کے باہمی اتفاق کو ایک مضبوط لڑی میں باندھ سکتی تھی۔ ساتھ ہی انگریزی' فرانسیسی اور دیگر خارجی کمپنیاں جو دکن کی ریاستوں کے اندرونی حالات کا فائدہ اٹھا کر اپنے لیے اور اپنی تجارت کے لیے جائز و ناجائز ہر طرح کی سہولتیں حاصل کر رہی تھیں (مثال کے طور پر انگریزوں کا سولینی پٹن کے برخلاف مدراس میں بندر گاہ بنانا اور اس کی قلعہ بندی کرنا) ان کی تمام تر کوششیں مغلیہ سلطنت کے پھیلاؤ سے ناکام ہو جاتیں۔ اورنگ زیب دکن کی فتح کے بعد دارالسلطنت دہلی واپس نہیں آیا بلکہ اپنی ہمت اور دلیری سے دکن ہی میں رہ کر وہاں کے بندوبست و نظام کو صحیح ڈھرے پر لانے کی کوشش میں جٹ گیا۔ یہ بات بھی قابل تعریف ہے۔ لیکن یہ سارے منصوبے اسی وقت پورے ہوسکتے تھے جب وہ مرہٹوں کے ساتھ سمجھوتہ' فوجی قیاس کرنے کے بجائے سیاسی طریقے کو بروئے کار لا کر کرتا۔

لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ سیاسی طور پر اورنگ زیب نے کئی غلطیاں کیں جن کی وجہ سے باہمی تفرقے بڑھے' مگر اس نے کچھ ایسے کام بھی کیے جن سے قومی بھائی چارہ اور قومی یکجہتی کو تقویت پہنچی۔ اس نے ملک کے دونوں جانب سرحدوں پر کڑی نگرانی رکھی۔ بنگال سے فرنگی اور سمندری ڈاکو ماگھ کو جنھوں نے ڈھاکہ تک تباہی پھیلا رکھی تھی' زبردست شکست دے دی اور ایسے خطرات سے بچنے کے لیے ایک مضبوط نوارہ (Navy) تیار کیا جو سمندر کے نزدیکی علاقوں کی پہریداری کرسکے۔ انگریزوں کو بنگال میں اپنے پیر جمانے کی اجازت بھی اس نے نہ دی۔ اس نے ان کے ہگلی کے قلعے کو مسمار کر دیا۔ اس نے مغرب میں بھی پٹھانوں اور ایرانیوں پر کڑی نگرانی رکھی۔

اورنگ زیب نے ملک کے حکمرانوں کو سادہ زندگی گزارنے کے لیے

آگاہ بھی کیا اور خود عمل کر کے اس کی ایک نظیر پیش کر دی۔ حالانکہ اس بات میں سچائی بہت کم ہے کہ اورنگ زیب اپنا اور اپنی بیگمات کا خرچ ٹوپی بنا کر اور قرآں کی کتابت کر کے پورا کرتا تھا۔ اس کی زندگی میں عیش و عشرت نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ مگر اس میں شک نہیں کہ جادو ٹونا اور دیگر تاریک عقائد مثلاً فقیروں کی قبروں پر جانا' چلہ وغیرہ باندھنے کو وہ برا سمجھتا تھا' مع ہذا اس نے اس پر پابندی بھی عائد کی۔ اس نے نجومیوں کو شاہی تنخواہ دینا بھی بند کر دیا تھا۔ یہ بات اور ہے کہ اس کی اس روک تھام کا کسی پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ آج بھی حکومت میں نجومی اتنا ہی اثر رکھتے ہیں' جتنا کہ عہد اورنگ زیب میں رکھتے تھے' باوجودیکہ اس دور حاضر کو ہم سائنسی دور کہتے ہیں۔ اورنگ زیب کی یہی پالیسی نشہ بندی کے سلسلے میں بھی رہی اور اس نے ہمیشہ نشیلی اشیا کے خلاف قدم اٹھائے مگر وہاں بھی وہ اتنا ہی ناکام رہا۔

آخر میں کچھ موسیقی کے سلسلے میں بھی اورنگ زیب کے اقدام کا ذکر کر دوں۔ اورنگ زیب نے شاہی دربار میں گانے پر روک لگا دی تھی۔ درآنحالیکہ موسیقی پر عہد عالمگیر میں اتنی کتابیں لکھی گئیں' جتنی اس سے پہلے کسی عہد میں نہیں لکھی گئیں۔ اس سے یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ تہذیبی یک جہتی کا جو سلسلہ اکبر یا اس کے پہلے سے شروع ہوا تھا' وہ ٹوٹ نہ پایا تھا۔ اورنگ زیب کے بہت سے امیروں نے موسیقاروں اور نقاشوں کے علاوہ فارسی اور ہندی کے شعرا کو بھی مالی امداد اور پناہ دی تھی۔ اس سلسلے میں خاص طور پر اورنگ زیب کے بیٹے اعظم اور بیٹی روشن آرا کا ذکر اہمیت سے خالی نہیں۔ باغی شاہزادہ اکبر کو مدد دینے کے الزام میں اورنگ زیب نے روشن آرا کو دہلی کے قلعے میں نظربند کر دیا تھا لیکن وہاں اسے پوری آزادی اور وظیفہ ملتا تھا۔ دہلی میں عاقل خاں رازی کے ساتھ مل کر روشن آرا نے عشقیہ اور صوفیانہ شاعری کو ترغیب پہنچائی۔ اس نے بیت العلوم بھی قائم کیا جو

شاعروں کی مالی امداد کرتا تھا۔ اس دور میں عبدالقادر بیدل دلی کے سب سے مشہور شاعر کی حیثیت رکھتے تھے۔ چشتی اور دیگر صوفیوں میں بھی روشن آرا کا عقیدہ تھا۔ یہ سبھی صوفی حضرات وحدت الوجود پر یقین رکھتے تھے۔ اسی کے اثر سے قومی یکجہتی کا پودا لہلہا رہا تھا۔

کسی بھی دور میں قومی یکجہتی کو قائم رکھنے اور اس کے بڑھانے کا ذمہ عوام اور حکمرانوں دونوں ہی پر عائد ہوتا ہے۔ اسی لیے تمام تر مشکلات اور غلطیوں کے باوجود اورنگ زیب کے دور حکومت میں قومی یکجہتی کے عناصر برابر اپنا کام کرتے رہے اور یہ سلسلہ آگے بڑھتا گیا۔ حالانکہ اٹھارویں صدی میں مرہٹوں اور مغلوں کا فوجی ٹکراؤ اپنے عروج پر تھا' پھر بھی قومی تعصب یا فرقہ پرستی کی مثالیں ہمیں ڈھونڈنے سے نہیں ملتی ہیں' حتی کہ کوئی ایسی مثال بھی نہیں آتی جہاں ایک فرقے نے دوسرے فرقے کے مذہبی ٹھکانوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی ہو یا حتی الامکان پرانی غلطیوں کو لے کر بدلہ لینے کی بات کی ہو۔ یہی ہندوستان کی ریت ہے اور یہی روایت جس کا مطلب ہے ہر فرقے کے احساسات و جذبات کا احترام کرنا' تاریک عقائد اور توہم پرستی سے گوشہ گیر رہنا' اپنی قیمتی تاریخ اور روایت کو اچھی طرح سمجھنا' ہمیں قومی یکجہتی کے راستے پر چلنے کی دعوت دیتی رہے گی اور ہم تبھی آگے بڑھتے رہیں گے۔

(بہ شکریہ' جامعہ' جون ۱۹۹۰ء' دہلی)

☆ ☆ ☆

اساسیات اسلام

از ..... مولانا محمد حنیف ندوی

مولانا محمد حنیف ندوی بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں جو مختلف علمی و فکری موضوعات پر مشتمل ہیں اور جن سے ملک کے اصحاب فکر و دانش مستفید ہو رہے ہیں "اساسیات اسلام" ان کی وہ تصنیف ہے جس میں انہوں نے تعبیر و استدلال کی ایک نئی اور خوش آئند روایت کی طرح ڈالی ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے اسلام کے تہذیبی، سیاسی، اقتصادی اور روحانی مسائل کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ اسلام ان مسائل کو کیوں کر حل کرتا ہے۔ زبان، انداز اور دلائل کے اعتبار سے کتاب لائق مطالعہ ہے۔

قیمت : ۷۵.۰۰ روپے

ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲ کلب روڈ لاہور۔